R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت [illegible]

ٹیلی فون [illegible]

جلد ۲۳ - شمارہ ۴۴ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۲۲ - نومبر ۱۹۶۴ء

اداریہ

انجمن کا نیا قدم

انجمن نے اردو کی جو تحریک چلائی ہے اس کے صحت مند خطوط اب واضح ہو رہے ہیں۔ اردو دوست اب تک حکومت کی طرف نظر جمائے رہتے تھے اور شکوہ شکایت، غم و غصہ کا رخ بھی حکومت کی طرف رہا تھا۔ لیکن اب انجمن نے مطالبات پر مضبوطی سے قائم رہنے کے ساتھ عوام سے اپنے رشتے کو اور مضبوط کر دیا ہے اور اپنی شاخوں اور ان کے ذریعہ سے اردو دوستوں کو خود کچھ کرنے کی طرف مائل کر رہی ہے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جس تحریک کے پیچھے عقیدے کی پختگی، عمل کی طاقت اور کردار کی استواری نہیں ہوتی اس کا نوٹس کم لیا جاتا ہے۔ ہاں جس کے پیچھے ایک پختہ عقیدہ، واضح شعور اور اس شعور کو ظاہر کرنے کے لیے ایک وسیع حلقہ ہوتا ہے، اس کی بات سنی بھی جاتی ہے اور مانی بھی جاتی ہے۔ اس لیے اگست میں مجلس عام نے انجمن کی تنظیم کو اور مضبوط کرنے کے لیے کارروائی شروع کر دی تھی اور ایک مفصل نوٹ پر غور کر کے ایک نمائندہ کمیٹی بنا دی تھی جس کے سامنے ریاستی شاخوں کی تجاویز بھی تھیں۔ جے پور کی کانفرنس میں نمائندوں نے قدرتی طور پر یہ رائے دی کہ ریاستی شاخوں کے نمائندے اس کمیٹی میں شریک ہوں اور انجمن کے اگلے قدم پر سوچ بچار کے ساتھ، انجمن کے دستور میں ضروری ترمیموں پر بھی غور کر لیں۔ اس کمیٹی کا جلسہ ۸ نومبر ۱۹۶۴ء کو علی گڑھ میں ہوا جس میں علاوہ کمیٹی کے ممبروں کے پنجاب، اتر پردیش، بہار، راجستھان، مدھیہ پردیش، گجرات اور دہلی سے نمائندے شریک ہوئے۔ تمام مسائل پر غور کرنے کے بعد یہ طے پایا کہ انجمن کے ابتدائی ممبر بڑی تعداد میں بنائے جائیں جن کی فیس ممبری صرف چار آنے سالانہ ہو۔ یہ ممبر ایک مقررہ تعداد کے مطابق ضلع یا شہر کی کونسل بنائیں گے اور ان کی ایک مقررہ تعداد ریاستی شاخ کی کونسل بنائے گی۔ اس طرح انجمن کی جڑیں گہری اور مضبوط ہو جائیں گی اور شاخوں کی تنظیم بھی بہتر ہوگی۔ مرکز میں سب سے اہم تجویز یہ ہے کہ ہر ریاستی شاخ سے ایک نمائندہ مجلس عام میں لیا جائے گا۔ ان تجاویز پر عنقریب مجلس عام غور کرے گی اور اگلے سال جلد سے جلد انجمن کی نئی تنظیم وجود میں آ جائے گی۔ اس دوران میں ہم کانفرنس کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جد و جہد کرتے رہیں گے اور شاخوں کی تنظیم کے لیے ایک نائب معتمد کی زیر نگرانی مناسب عملہ بھی ہم پہنچائیں گے۔ اس وقت سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ تمام اردو دوست پچھلے اختلافات کو بھول کر قومی اور جمہوری نقطہ نظر سے اردو تحریک کو مضبوط بنانے میں لگ جائیں۔ اردو کی تحریک میں ہر مذہب، ملت اور ہر سیاسی خیال کے لوگ بڑی تعداد میں شریک ہوں، تعمیری طریقہ کار کو اپنایا جائے۔ شاخیں اپنے ذمے خاص خاص کام لیں اور مرکز کل ہند تحریک کو چلانے کے علاوہ ان کاموں کے سلسلے میں مناسب مدد اور مشورے دے۔ آج کل کچھ حلقوں میں جو بیزاری یا طنز و تعریض کی لہر نظر آتی ہے وہ دراصل

اس شمارے میں

ایک قسم کا غرور ہے۔ کام کرنے والے نہ مایوس ہوتے ہیں نہ بد دل۔ ان سے اگر غلطیاں ہوتی ہیں اور کسی سے نہیں ہوتیں تو ان کی اصلاح کرتے ہیں مگر اپنا وقت اعتراضات کے جواب دینے میں ضائع نہیں کرتے۔ پھر وہ سب کاموں کو ایک ساتھ نہیں اٹھاتے بلکہ اہمیت کے لحاظ سے ان پر وقت اور توجہ صرف کرتے ہیں۔ اس طرح کام آگے بڑھتا ہے اور اس طرح ہم اپنے کام کو آگے بڑھانا اور اپنی منزل پر پہنچنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اپنے وطن پر، اپنی زبان پر اور اپنے کارکنوں پر بھروسہ ہے اس لیے ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ ان خطوط پر چل کر ہم اپنی منزل کو جالیں گے اور اردو زبان و ادب کے پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کے لیے ایک وسیع میدان بنالیں گے۔

برہان پور میں کل ہند مشاعرہ

خلیق برہانپوری کی ادبی خدمات کے سلسلے میں ۶ر نومبر ۱۹۶۴ء کو دس بجے جنتا لائبریری میں ایک مشاورتی میٹنگ حضرت محمود درانی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں یہ طے پایا کہ برہانپور کے مایۂ ناز شاعر خلیق برہانپوری کی ادبی خدمات کے پیش نظر ان کا مجموعۂ کلام شائع کیا جائے اور اس سلسلے میں ایک کل ہند مشاعرہ ٹکٹ سے منعقد کیا جائے یہ مشاعرہ دسمبر کے آخر ہفتہ میں ہوگا۔ حاضرین نے متفقہ طور پر ایک مستقل کمیٹی "بزم خلیق" تشکیل دی جس کے مندرجہ ذیل عہدیداران منتخب کیے گئے:۔

صدر: محمود درانی   نائب صدر: شفیق آزاد

خازن: شباب سحر   سکریٹری: اقبال نصیب

پروپیگنڈا سکریٹری:۔ ارشد اسعدی

اقبال نصیب سکریٹری "بزم خلیق"

برہان پور میں احتشام صاحب کی آمد

برہان پور میں اردو سوسائٹی سیوا سدن کالج کی دعوت پر اردو ادب کے قابل نقاد، لائق احترام ادیب و شاعر محترم جناب پروفیسر سید احتشام حسین صاحب صدر شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی ۲۳ر نومبر کو صبح پنجاب میل سے برہانپور تشریف لا رہے ہیں۔ آپ کے استقبال کے لیے کالج کے طلباء کے علاوہ انجمن ترقی اردو برہانپور، جنتا لائبریری برہانپور، بزم راغب برہانپور، بزم خلیق برہانپور، بزم امید برہانپور، انڈیا لائبریری برہانپور، ختریہ لائبریری برہانپور، انجمن معین الطلبا برہانپور وغیرہ کے اراکین اور معزز حضرات ریلوے اسٹیشن پر موجود ہوں گے۔ احتشام صاحب ۴ بجے کالج کے دو جلسوں میں تقریر فرمائیں گے۔ آپ کے اعزاز میں میونسپل گارڈن میں منتخب شعرا کا مشاعرہ منعقد ہوگا۔ جنتا لائبریری برہانپور ۲۳ر نومبر کو ۵ بجے ایک عصرانہ گاندھی بھون میں دے گی۔

اقبال نصیب

بہار ریاستی انجمن کا جلسہ

بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی کونسل کی ایک نہایت اہم نشست انجمن اسلامیہ ہال میں زیر صدارت جناب نثار احمد خاں ایڈووکیٹ صدر انجمن ۸ر اکتوبر کو ۱۰ بجے دن میں منعقد ہوئی۔ کونسل کی نشست میں پورنیہ، مونگیر، بھاگلپور، سنتھال پرگنہ، چھپرہ، مظفرپور وغیرہ مختلف اضلاع کے نمائندے شریک تھے۔ اردو کے تحفظ اور بقا اور انجمن کے سبھی امور سے متعلق کونسل میں مختلف مسائل زیر بحث آئے۔ طے پایا کہ انجمن کی ممبر سازی کی آخری تاریخ ۳۱ر دسمبر ۱۹۶۴ء رکھی جائے۔ فروری ۱۹۶۵ء تک تمام شاخوں کے لیے انتخاب ہو جائیں اور ۱۵ر مارچ ۱۹۶۵ء کے اندر بہار کے کسی اہم شہر میں ریاستی اردو کانفرنس کا انعقاد ہو جس میں انجمن کے عہدیداران کے انتخابات بھی ہو جائیں گے۔ اردو ابتدائی تعلیم کے متعلق حکومت اور دوستوں کی سرد مہری پر غور و فکر کے بعد طے پایا کہ ابتدائی تعلیمی کونسل کے گذشتہ فیصلوں کے مطابق بلا تاخیر کاموں کو آگے بڑھایا جائے اور دفتری کام اور دورے شروع کر دئے جائیں۔ اس سلسلہ میں ایک آفس انچارج اور آرگنائزنگ سکریٹری کی تقرری بھی ضروری قرار دی گئی۔ بالاتفاق رائے طے پایا کہ تمام کاموں کو آگے بڑھانے اور ضروری اقدامات کے لیے سات افراد پر مشتمل ایک سب کمیٹی بنائی جائے یہ کمیٹی ابتدائی تعلیم اور تنظیم و ممبر سازی کے متعلق آئے دن کے کاموں کی نگرانی کرے گی۔ کمیٹی میں حسب ذیل حضرات ہوں گے۔ جناب نثار احمد خاں ایڈووکیٹ، جناب شاہ مشتاق احمد ایم۔ ایل۔ اے۔ جناب غلام سرور ایڈیٹر سنگم، شری رامائن سنگھ، جناب نواز حسین صاحب خزانچی پٹنہ یونیورسٹی، جناب شمس الہدی استھانوی اور جناب جیناب صدیقی جنرل سکریٹری۔ ایک دوسری تجویز کے ذریعہ طے پایا کہ انجمن کے وفد کا وزیر اعلیٰ بہار سے ملنے کا معاملہ جو عرصہ دراز سے کھٹائی میں پڑا ہوا ہے اور اب تک وزیر اعلیٰ موصوف نے جواب دینا گوارا نہ کیا ہے) اب اس میں مزید تاخیر نہیں ہونی چاہیے اس سلسلہ میں صدر انجمن کو کونسل نے مجاز کیا کہ وہ اس ہفتہ کے اندر وزیر اعلیٰ بہار کو خط لکھیں اور قطعی تاریخ اور وقت کا تعین کرائیں۔ اگر اس مہینہ کے اندر وفد کو وزیر اعلیٰ سے شرف ملاقات نہیں بخشا تو دسمبر میں مجلس عاملہ صورت حال پر غور کرے گی۔
اس جلسے میں شرکاء کی بڑی تعداد موجود تھی۔

ڈاکٹر محمود الٰہی

غالب کا ایک شاگرد ۔ محمد حسین محمودؔ

غالب کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جنھوں نے شعر و ادب کی کوئی نمایاں خدمت انجام نہیں دی۔ ان کا نام محض اس لیے لیا جائے گا کہ وہ غالب کے شاگرد تھے، پھر بھی ان کے اکتسابات کا مطالعہ اس لحاظ سے مفید ثابت ہو سکتا ہے کہ ان سے غالب کی شخصیت اور ان کے فکر و فن کے بعض گوشوں پر مزید روشنی پڑتی ہے ۔۔ ان کے اس طرح کے شاگردوں میں محمد حسین محمودؔ دہلوی بھی ہیں جن کا ذکر جناب مالک رام نے اپنی وقیع کتاب تلامذۂ غالب (پہلی اشاعت) میں ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"ان کی ایک مثنوی تحفۂ محمود مطبوعہ موجود ہے۔ اسی کے خاتمے کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کنور سرجیت سنگھ صاحب بہادر اور جناب سردار بکرما سنگھ صاحب، سی۔ ایس۔ آئی۔ اہلووالیہ رئیس جالندھر کی جاگیر اور ریاست کے ناظم تھے۔ یہ دونوں صاحبان کپورتھلہ ریاست کے حکمراں مہاراجہ رندھیر سنگھ بہادر کے بھائی تھے۔

اس سے زیادہ محمود کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ ایک غزل کے چند شعر درج ہیں:

خوں گھٹا اپنا نہ جوشِ ستمِ یار گھٹا
تند کیوں ہو کے دمِ خنجرِ خونخوار گھٹا
لطف میں ہے مرے، کیا فیض زبان منصور
دار مژگاں پہ اناالحق کا نہ اقرار گھٹا
یاد گیسو میں جو دل اپنا اسنڈ کر آیا
بن گئی آہ بھی اک رشکِ شبِ تار گھٹا
صحن باراں میں جو ساقی نے دکھائیں آنکھیں
ہو گئی سر کے پیاسوں کی عوض دار گھٹا
داخل خلد ہوئے حضرت آدم محمودؔ
پر شرر و کینۂ ابلیس نہ زنہار گھٹا

[اکمل الاخبار، ۴ ۲۲؍اگست ۱۸۶۹ء]"

محمد حسین محمود کی دو اور تصنیفات حلوائے بے دود اور محمود نامہ[1] میری نظر سے گزر چکی ہیں جن کے تعارف کے لیے یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں۔

حلوائے بے دود ۶۴ صفحات کی نثری کتاب ہے جو مطبع نول کشور میں چھپی تھی۔ اس کے سال اشاعت کا کوئی ذکر کتاب میں نہیں ہے۔ مصنف کی مندرجۂ ذیل ابتدائی سطروں سے کتاب کا موضوع اور اس کی تصنیف کی غرض و غایت معلوم ہو جاتی ہے:۔

ذرۂ بے نمود محمد حسین محمود حق شناسی کے علم اور ادب کا طالب ننگ شاگردان غالب ناظرین مہر نگاہ معنی آگاہ کی خدمت میں سلام کے بعد یہ پیام دیتا ہے کہ گو مجھ کج زبان نہ فارسی کے ملک کا دیوان ہے نہ اردوئے معلّٰی کی عدالت کا مسل خواں۔ نہ اصطلاح نگاری کے فن میں لائق ہے نہ انشا پردازی کے ہنر میں فائق۔ فقط لطیفان شیریں زبان خوش الحاں کی بات چیت سننے کا شائق ہے لیکن ایک روز جو سرکار میں لڑکوں کی ادب آموزی کا ذکر آیا اور جناب فیض مآب خداوند نعمت سردار بکرما سنگھ صاحب بہادر اہلووالیہ برادر والی ریاست کپورتھلہ ..... جن کی جیب خاص کے فیض سے گیارہ مدت شہر جالندھر میں رونق پذیر ہیں، اس خاکسار کی طرف متوجہ ہو کر یہ ارشاد فرمایا کہ آج کل اردو کی تعلیم کا نہایت چرچا ہے اور کل معاملات کی کارروائی کا اسی میں خوشی پر چرچا ہے، کوئی نسخہ جدید عام مفید ایسا تصنیف ہو جس کا مضمون دلچسپ اور شریف و لطیف ہو۔

اگرچہ مؤلف بے خبر خود محتاج سیکھنے سلیقہ اور ہنر کا ہے مگر حکم کی تعمیل کے سبب آرزومند اس امر کا ہے کہ ایک چھوٹی سی کتاب لڑکوں کی نصیحت کے باب میں فارسی نسخوں سے انتخاب کر کے اس طرح پر لکھے جس کا مطلب اور مدعا آسانی کے ساتھ اردو پڑھنے والوں کے دلوں میں بسے.......

دیباچے کے بعد مصنف نے اردو زبان کی مقبولیت پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ کتاب ۲۰ عنوانات پر مشتمل ہے جن میں بعض یہ ہیں: علم کی فضیلت؛ نیک چلنی؛ خدمت والدین؛ دوست و نادان دوست؛ مہمان کی تواضع؛ اولاد کی تربیت؛ شادی کا ترک؛ حکیموں کے اقوال۔

کتاب نثر میں لکھی گئی ہے لیکن کہیں کہیں بات کو زیادہ موثر بنانے کے لیے شعر بھی شامل کر لیے گئے ہیں جن میں غالب کے یہ دو شعر بھی ہیں:

حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

---

[1] یہ دونوں کتابیں جامع مسجد، گورکھپور کے کتب خانے میں محفوظ تھیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ کتب خانہ اب آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

آبرو کیا خاک اس گل کی جو گلشن میں نہیں
ہے گریبان ننگ پیراہن جو دامن میں نہیں

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسدؔ
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائے گا

آزادہ رو ہوں میں مرا مسلک ہے صلح کل
ہرگز کسی کے ساتھ عداوت نہیں مجھے

کتاب کے آخر میں لیکن "غلط نامہ" سے پہلے منشی محمد ظہیر الدین خاں کا یہ قطعہ ہے:

مہاراجہ بجرماسنگھ صاحب بہادر آخر ناشش ہیفرزد
بحکم او کتابے خوش بہ اردو رقم زد عاقبت محمود محمود

مجموعی طور پر حلوائے بے دود، کسی خاص ادبی اہمیت کی حامل نہیں، یہ ایک درسی ضرورت کے تحت لکھی گئی تھی اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے وہ ضرورت کس حد تک پوری ہوئی!

محمد حسین محمود کی دوسری کتاب "محمود نامہ اردو" ہے جسے ایک طور پر ان کی غزلوں کا منتخب دیوان کہا جا سکتا ہے۔ ۱۶ صفحے کے اس دیوان کے سرورق پر یا اس کے آخر میں جو عبارت لکھی گئی ہے، اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ اس کا شاعر کون ہے۔ اصل عبارت یہ ہے:

(سرورق) "دریں ایام برکت التیام بتائید خدائے رحمان رسالۂ نافعہ برائے مبتدیاں مسمٰی بہ محمود نامہ اردو ۱۲۹۰ حسب فرمائش جناب فیض مآب حقبول کونین مولوی حافظ عزیز حسین سلمہ الرب المشرقین والمغربین در مطبع گلزار محمدی واقع لکھنؤ زیر اکبری دروازہ مطبوع گردید" (آخری صفحہ) "شکر ہزار شکر آفریدگار دو جہاں کہ اندنوں ایک کتاب لاجواب مفید ہر خاص و عام محمود نامہ اردو نام بکم رجب المرجب ۱۲۹۰ ہجری کو بحسن سعی کارگزاران مطبع بخط عمدہ چھاپہ مطبع گلزار محمدی واقع لکھنؤ متصل چوک زیر اکبری دروازہ کے طبع ہو کر مقبول اہل جہاں ہوئی۔"

دیوان کی ہر غزل کے مقطع میں "محمود" تخلص استعمال کیا گیا ہے اس میں دو شعر ایسے بھی ملتے ہیں جن سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ غالب کے شاگرد محمد حسین محمود کا دیوان ہے۔ وہ دونوں شعر یہ ہیں:

وہ جانتے ہیں محمد حسین ہی محمود
بھا کبھی وہ ہیں مگر میرے رو برو مجھکو

غلام غوث علی ہوں اسد کا ہوں شاگرد
ہو کس طرح نہ مرے نعرۂ جگر کو فروغ

سرورق کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دیوان (یا رسالہ) مبتدیوں کے لیے لکھا گیا تھا۔ بات کچھ ایسی معلوم ہوتی ہے کہ شاعر نے یہ دیوان ان لوگوں کے سامنے بہ طور نمونہ پیش کیا تھا جو شعر و شاعری کے کوچے میں قدم رکھنا چاہتے ہیں۔ محمود شعر موزوں کر لیتے تھے لیکن ان کا شمار صف دوم کے شعرا میں بھی مشکل سے ہو سکے گا۔ انکی اگر کوئی خصوصیت ہے تو صرف یہ کہ غالب ان کے استاد تھے۔ یہاں محمود نامہ اردو کی ہر غزل کا ایک ایک شعر نقل کیا جاتا ہے تاکہ ان کا رنگ کلام معلوم ہو سکے۔

ایمائے امر کن کا جب انجام ہو گیا اسباب حسن و عشق نمودار ہو گیا

بجتا ہے ساتھ نالۂ سوزاں کے دم بدم تار نفس ہے غیرت تار رباب اب

پردہ میں عبدیت کے نہاں رکھئے اپنا بھید آداب داں کہیں ہیں کہیں ہاں کہیں ہے چپ

تعزیت کس کی کروں میں کہ سوا تیرے مجھے کوئی زندہ نظر آتا نہیں اے جان حیات

گر صدمے سے کھا کے گیا جام یار ٹوٹ ٹکڑے ہمارے دل کے ہوئے تین چار ٹوٹ

ثروت کی ہیں تلاش میں محمود بوالہوس زر زن زمیں ہے فتنہ کی بنیاد الغیاث

جاتا ہوں لخت دل لیے میں بھی برائے نذر اک گل بدن کو رغبت سیر چمن ہے آج

چکرا نہ بادتند محبت سے ناخدا بھنور میں غرق کشتی سالو نیاں نہ کھینچ

جناب کشتی عمر رواں کو اے غافل نہ ناخدا کی ضرورت نہ حاجت ملاح

خلش خار مژہ رکھتا ہے دل تنگ آرام دیکھئے ہوتا ہے کب رونے سے اس جان فراخ

دم تو دینا تمہیں ہر بات میں خوب آتا ہے دی کبھی تم نے نہ محمود کے اشعار کی داد

ڈوری لگی ہے دل کی مری ایسے شوخ سے ہے جس کے بال بال میں گندھا ہوا گھمنڈ

ذوق شیریں میں گیا جان سے محمود نہ ذوق ہے مگر قند مکرر ہی فرہاد لذیذ

رک سکے کیونکر نہ چلے نالۂ شب گیر کا تیر آہ دل بن گئی ہے ترکش تصویر کا تیر

زندگی تلخ ہو فرہاد کو کیوں کر نہ بھلا دل میں شیریں کے ہو جب جائے خسرو آمیز

سامنے سب کے ہے وہ خود آرا افسوس ہر کسی کو نہیں ہے دیدۂ بینا افسوس

(بقیہ صفحہ ۹)

سلام بن رزاق پنویلی

عالم سوز

ایک خاموشی سی چھائی ہے زمیں تا بہ فلک
ایک سناٹا سا چھایا ہے افق تا بہ افق
رہ گذر چپ ہے، در و بام ہیں لب بستہ خموش
ابلقِ وقت دبے پاؤں ہے سرگرم خرام
اس طرح رکتی ہوئی چلتی ہے نبضِ ہستی
جیسے بیمار کہن سال کی مدھم سانسیں
رات ہے یا کسی بیوہ کی سلیٹی چادر
چاند ہے یا کوئی مظلوم سرِ تختۂ دار
مضمحل گیت، تھکے ہارے شکستہ نغمے
ڈوب کر سو گئے آغوشِ سکوتِ شب میں
گرمیِ ساز نہیں، شعلۂ آواز نہیں
منجمد برف کی مانند ہے بزمِ ہستی
دلِ بدبخت دھڑکتا ہے تو آہستہ دھڑک
چھوٹ جائے نہ کہیں دامنِ غم ہائے دراز
ٹوٹ جائے نہ کہیں سلسلۂ سوز و گداز

احسن نشاط

"تنہائی"

سکوتِ شب میں دل پر ایک عالم بیت جاتا ہے
عجب انداز سے ویران یادیں مسکراتی ہیں
کبھی آواز بھی دیتا ہوں گرچہ گریزاں کو
تو ہر اک سو صدائے ناشنیدہ گونج اٹھتی ہے
تصور چھیڑ دیتا ہے تو اکثر چونک اٹھتا ہوں
اسی عالم میں سنتا ہوں کوئی آواز مبہم سی
یہی محسوس ہوتا ہے کہ سازِ دل کے پردے کو
کسی دستِ حنائی نے ابھی لگتے سے چھیڑا ہے
کسی سازِ شکستہ کے ہر اک تارِ پریشاں کو

سید مسعود عالم

جستجو

ارمانوں کی چتا جلی ہے
سپنے سارے بجھ گئے ہیں
خوشیاں مجھ سے روٹھ گئی ہیں
آس کے بندھن ٹوٹ گئے ہیں
لیکن اب بھی ــــ
اس اندھیارے جیون میں
مری پیاسی روح بھٹکتی ہے

اردو اور ہندی کی تعلیم مشرقی جرمنی کی یونی ورسٹیوں میں

لکھنؤ، ر نومبر۔ مشرقی جرمنی کے تین بڑے شہروں برلن، لائپ زگ اور ہالے میں اردو و ہندی زبانوں سے کافی دلچسپی لی جا رہی ہے اور گزشتہ تین چار سال سے مشرقی جرمنی کے طلباء لازمی اور اختیاری طور پر ان دونوں زبانوں کو سیکھ رہے ہیں۔

مشرقی جرمنی میں ڈرامے پر ریسرچ کرنے والے ایک طالب علم عارف نقوی جو آج کل اردو ہندی ڈرامے پر مواد فراہم کرنے یہاں آئے ہوئے ہیں، ان چند ہندستانی استادوں میں ہیں جو مشرقی جرمنی کے طلباء کو اردو اور ہندی پڑھا رہے ہیں۔

عارف نقوی نے ایک گفتگو میں بتایا کہ انسٹی ٹیوٹ آف انڈین اسٹیڈیز میں ہندی اور انگریزی کی تعلیم لازمی ہے اور اردو، بنگالی، ملیالی اور تامل زبانیں اختیاری ہیں۔ اس کے علاوہ فارسی اور عربی کی تعلیم کے لیے ایک الگ شعبہ ہے۔

انھوں نے بتایا کہ مرحوم ڈاکٹر محمد اشرف کے وقت سے جب وہ وہاں ہندستانی تاریخ کے پروفیسر تھے مغل عہد کے طالب علموں کو فارسی زبان پڑھنے کی ضرورت محسوس ہوئی اس کے بعد اردو سے بھی دلچسپی بڑھی۔

ڈاکٹر اشرف کے سلسلے میں نقوی صاحب نے بتایا کہ ان کے نام سے ایک اکیڈمی برلن میں قائم ہو چکی ہے اور مرحوم کی یاد میں ایک ضخیم جلد (انگریزی میں) جلد ہی شائع ہونے والی ہے۔

ایک سوال کے جواب میں نقوی صاحب نے بتایا کہ اوسطاً ہر سال ۱۵ طالب علم برلن میں اور اتنے ہی طالب علم لائپ زگ کی کارل مارکس یونیورسٹی میں اردو پڑھتے ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ اردو ہندی پڑھانے والے ہندوستانی استادوں میں ڈاکٹر محمد احمد انصاری (زبارہ بنکی) اور ڈاکٹر رود یا ساگر بھی ہیں۔

نقوی صاحب کے ریسرچ کا موضوع "اردو ہندی ڈرامے کے مسائل اور نئے جرمنی میں ڈرامے پر تجربے" ہے اور بحیثیت ریسرچ اسکالر کے برلن کی ہمبولٹ یونی ورسٹی میں اور بحیثیت استاد کے لائپ زگ کی کارل مارکس یونیورسٹی میں وہ اردو ہندی کی تعلیم فی ہفتہ چار گھنٹہ کے حساب سے دیتے ہیں۔ (قومی آواز لکھنؤ)

اردو کی دو کتابوں پر انعام

نئی دہلی ۱۰ر نومبر۔ مرکزی وزارت تعلیم نے امسال بچوں اور نئے لکھنے والوں کے ادب سے متعلق دسویں انعامی مقابلہ کے نتیجہ کی بنیاد پر ۲۵ انعاموں کا اعلان کیا ہے انعام کی رقم پانچ سو سے ایک ہزار روپیہ تک ہے۔ اردو کی دو کتابوں پر بھی انعام ملا ہے جن کے نام یہ ہیں ۱۔ طالب علم کی کہانی۔ از عبدالغفار مدہولی ۲۔ زمین سے چاند تک۔ از کشور زیدی۔ (سیاست جدید کانپور)

مناظر عاشق ہرگانوی

دیوان گویا

۱۵؍مارچ ۱۹۹۴ء کے "ہماری زبان" میں ملک اسمٰعیل حسن خاں صاحب کا مضمون "فقیر محمد خاں گویا" شایع ہوا تھا، جسے پڑھ کر جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب نے "ہماری زبان" کے یکم مئی ۱۹۹۴ء کے شمارے میں ایک مراسلہ "قصائد گویا (فقیر محمد خاں) کے دو قلمی نسخے" شایع کرایا تھا۔ اپنے مراسلے کی ابتدا ہاشمی صاحب اس طرح کرتے ہیں "ہماری زبان میں چند ہفتے پیشتر فقیر محمد خاں گویا کے حالات اور ان کے کلام کا کچھ نمونہ شایع ہوا تھا......" حالانکہ ملک صاحب کے مضمون میں کلام کا ایک نمونہ بھی شامل نہیں ہے البتہ انھوں نے اپنے مضمون کے دوسرے حصے میں گویا کی شاعری سے گفتگو کرنے کا وعدہ ضرور کیا تھا لیکن نہ معلوم کیوں آج تک ان کے مضمون کا دوسرا حصہ شایع نہیں ہو سکا؟ یہاں مجھے اس امر سے بحث نہیں، بلکہ میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ سرگروہ سخنوران نازک خیال جادو بیان رسالدار فقیر محمد خاں بہادر تخلص "گویا" کے دیوان کی ایک جلد خدا بخش خاں لائبریری (پٹنہ) میں محفوظ ہے۔ ۱۱۶ صفحات کا یہ دیوان جس میں صفحہ ایک سے صفحہ ۹ تک ایک "قصیدہ در مدح حضرت خاقان زماں خدیو گیہاں ابو المظفر معز الدین شاہ زمن نصیر الدین حیدر بادشاہ غازی زاد ملکہ و سلطنتہ" ہے۔ قصیدہ کا آغاز جن اشعار سے ہوا ہے اسے ہاشمی صاحب نے "حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کی شان میں ہے" لکھا ہے لیکن ۹ صفحہ کا یہ قصیدہ علی مرتضیٰ کی شان میں نہیں بلکہ ابو المظفر معز الدین شاہ زمن نصیر الدین حیدر کی مدح میں ہے اور میرے خیال میں یہ صحیح بھی ہے کیونکہ ہاشمی صاحب کی نظر سے جو دو قلمی نسخے گزرے ہیں ان میں تاریخ کتابت درج نہیں ہے اور مالکوں کی جو مہر ثبت ہیں ان میں ۱۲۴۲ھ اور ۱۲۹۷ھ مرقوم ہے۔ لیکن خدا بخش خاں لائبریری میں گویا کا جو دیوان موجود ہے وہ ۱۸۸۲ء میں شایع ہو چکا تھا، اس لیے ممکن ہے کہ "قصائد گویا" کے کاتب نے کتابت کرتے وقت دیوان ہذا کو پیش نظر رکھا ہو اور مندرجہ بالا قصیدہ کو نقل کرتے وقت بیک جنبش قلم ابو المظفر کی بجائے علی مرتضیٰ لکھ دیا ہو۔ یا پھر بے خیالی میں ہی مرتضیٰ کی شان کا قصیدہ ابو المظفر کے عنوان سے اور ابو المظفر کی مدح کا قصیدہ علی مرتضیٰ کے عنوان سے نقل ہو گیا ہو!

صفحہ ۱۹ سے صفحہ ۱۰۰ تک ردیف وار غزلیں "الف" باے موحدہ، تاے مثلثہ، جیم فارسی، حاے حطی، خاے معجمہ، دال، ذال معجمہ، راے مہملہ، سین مہملہ، شین معجمہ، صاد مہملہ، طاے مہملہ، ظاے معجمہ، عین مہملہ، غین معجمہ، فا، قاف، کاف فارسی، لام، میم، نون، واو، ہا اور یا ہیں۔ اس کے بعد صفحہ ۱۰۱ سے "ترکیب بند" چلتا ہے جس میں صفحہ ۱۰۵ سے صفحہ ۱۰۹ تک سلام اور دو صفحوں میں ۲۱ بند ختم ہو کر ۱۱۲ اور صفحہ ۱۱۲ پر مخمس ہے صفحہ ۱۱۳ پر دیوان ختم ہو جاتا ہے۔ پھر ۱۱۴ سے صفحہ ۱۱۶ تک تاریخ دیوان درج ہے۔ تاریخ کہنے والوں میں وزیر، مضطرب اور شیخ امام بخش ناسخ ہیں۔ خواجہ وزیر نے تاریخ دیوان اس شعر سے ۱۲۴۲ھ نکالا ہے

سال اتمام و حسن ترتیبش　　گفت دل ہست کتاب دلکش ۱۲۴۲ھ

دوسری تاریخ مضطرب کی ہے انھوں نے ۱۲۴۱ھ اس سے ظاہر کیا ہے ؎

چوں پے تاریخ گشتم مضطرب　　گفت ہاتف وہ چہ بستان سخن ۱۲۴۱ھ

دیوان کے خاتمۃ الطبع میں لکھا ہوا ہے "بعد حمد خدا اجل و علا اور نعت مصطفےٰ ختم الانبیا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے واضح ہو کہ دیوان بلاغت و فصاحت نشان فقیر محمد خاں اوخذہ اللہ الغنی بہ غفران کا مطبع فیض منبع جناب منشی نولکشور واقع کانپور میں باہتمام منشی بشیشر دیال صاحب مہتمم مطبع سے ماہ فروری ۱۸۸۲ء کو چھپا۔"

گویا کے دیوان سے چند مقطعے بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیے ؎

پاؤں پڑتے ٹھوکریں کھاتے کٹی گویا کی عمر　　نقش پائے یار ہے نامہ مرے اعمال کا

داغ تن کھل رہے ہیں صورت گل　　ہم ہیں گویا شگوفہ دار درخت

فاصلہ شام و سحر میں نہ رہا ہے گویا　　دیکھے متصل زلف چلیپا ہو وہ رخ

پس از مردن بھی کیا وحشت گویا نے اٹھایا ہے　　ہوا ہے بید مجنوں جائے سبزہ میرے مدفن پر

کٹی گویا شب جوانی اب آن پہونچی ہے صبح پیری　　بہت سی کی تو نے بت پرستی اب ایک دن خدا کو

از سخن اے گویا چو گیرد سخنداں خوش شد　　ہست مصحف نقل تو نار ہم بالائے دوش

رقص کی اس کے صفت گویا نہ پوچھ　　دل کو کر دیتا ہے بے آرام رقص

گریاں وہ ہوں کہ رونے کا گویا لکھوں میں حال　　ہر دائرہ ہے چشم اور آنسو بہانے خط

گویا ہوں وقت کا سلیماں　　پریوں ہی پہ حکم کر رہا ہوں

ہوں بادشاہ سخن گو فقیر ہوں گویا　　مرا اجارہ ہے اشعار کی زمینوں پر

سیکڑوں مضمون باندھے ہیں غزال چشم کے　　فکر گویا نے کیا شرمندہ آہو گیر کو

قد سوزوں کے عشق میں گویا　　رات دن شغل شعر خوانی ہے
اپنی بھید پوچھ مت گویا　　کچھ نہ سمجھے یہ بار ہا سمجھے

قطعہ

ولولۂ جوشِ جنوں کو تھا بھی بک گویا
نظر آیا نہ کوئی آبلہ پا میرے بعد
بید مجنوں نہ ہوا گل کا گریباں نہ پھٹا
سنبل تر بھی پریشاں نہ ہوا میرے بعد

ہندوستانی پارلی منٹ کو کتابوں کا تحفہ

برطانوی ہائی کمشنر مامور ہند سر پال گور بوتھ نے لوک سبھا کے اسپیکر سردار حکم سنگھ کو برطانوی پارلیمنٹ کی تاریخ کی پہلی تین جلدیں پیش کیں۔ یہ کتاب جو اکیس جلدوں پر مشتمل ہوگی۔ سر لیوس نیمیر اور جون بروک نے تصنیف کی ہے۔

تحفہ پیش کرتے ہوئے سر پال نے کہا کہ آج کل کے زمانے میں پارلی منٹری نظام کی اہمیت بہت زیادہ ہے دنیا میں کئی قسم کی حکومتوں کی جانچ ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے۔ مستقبل میں بھی نئے نئے تجربے ہوں گے لیکن اپنی تمام خامیوں کے باوجود پارلی منٹری حکومت ہی ایک ایسی حکومت ہے جو کسی اور حکومت کے مقابلے میں انسانی وقار اور حقوق کے ساتھ زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔

برطانوی ہائی کمشنر نے بتایا کہ کتاب کی دیگر جلدیں تیار ہو جانے پر پارلی منٹ کی لائبریری کو بھیج دی جائیں گی۔ (برطانیہ نئی دہلی)

آئندہ سال سے ہندی ہی ہندی

ہزاری باغ ۷ رنومبر ہندی پرگتی سنگھ کے صدر اور بہار اسمبلی کے اسپیکر مسٹر ایل این سدھانشو نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ آئندہ سال ۲۶ جنوری سے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے علاوہ ہندی ریاستوں کے سرکاری دفاتر میں تمام کام لازمی طور پر ہندی میں ہونے لگیں گے۔ مسٹر سدھانشو اور سنگھ کے دوسرے ممبران سرکاری دفاتر میں ہندی کے استعمال کا جائزہ لینے کی غرض سے یہاں آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ متعدد احکامات کے اجرا کے باوجود حکومت بہار سرکاری دفاتر میں ہندی کو لازمی قرار نہیں دے سکی ہے۔

انھوں نے کہا کہ اسکولوں اور کالجوں میں انگریزی کو اختیاری حیثیت دی جائے۔ اور اس زبان کے ہونہار طالب علموں کو تمام آسانیاں پہونچائی جائیں۔ مگر تمام طالب علموں پر انگریزی کو مسلط نہ کیا جائے کہ اس مضمون میں طالب علموں کی اکثریت فیل ہوتی ہے۔ مسٹر سدھانشو نے کہا کہ ترقی پذیر زبان کے لیے نئے اصطلاحات ضروری ہیں۔ مگر بین الاقوامی الفاظ کو بھی ہندی میں جگہ دی جائے۔ (آزاد ہند کلکتہ)

اردو اکاڈمی دہلی

اردو اکاڈمی دہلی کی مجلس منتظمہ کا ایک جلسہ زیر صدارت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب، دفتر برہان میں منعقد ہوا۔

سکریٹری نے سب سے پہلے گزشتہ چار سال کے حسابات کی آڈیٹڈ رپورٹ مجلس کے سامنے پیش کی۔ اور دہلی میں پرائمری اور مڈل اسکولوں کی درسی کتب کی اشاعت کے کام کی تفصیلات سے مجلس کو مطلع کیا۔ ممبران نے آڈیٹر کی رپورٹ پر گفتگو کی وقت کی قلت کی وجہ سے مزید گفتگو آئندہ میٹنگ کے لیے ملتوی کر دی گئی۔ ممبران نے درسی کتب کی اشاعت کے کام پر اپنے اطمینان اور مسرت کا اظہار کیا۔

سکریٹری نے مجلس کے سامنے نویں، دسویں اور گیارھویں جماعتوں کی درسی کتب کا مسئلہ رکھا۔ اور یہ بات واضح کی کہ یہ کتابیں نہ صرف دہلی میں بلکہ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی طلبا کی ضرورت پورا کریں گی اور ان کتب کی اشاعت کے بعد درسی کتب کی اشاعت کا سوال کافی حد تک حل ہو جائے گا۔ ارکان نے اس کام کی تکمیل کے لیے ضروری سرمایہ فراہم کرنے کے سوال پر غور کیا۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم بانی اکاڈمی کے انتقال اور لالہ شام ناتھ کے استعفیٰ سے جو مجلس میں دو نشستیں خالی ہو گئی تھیں۔ ان کو پر کرنے کے لیے سید بشیر حسین زیدی صاحب اور قاضی سجاد حسین صاحب کو اردو اکاڈمی کی مجلس منتظمہ کا رکن منتخب کیا گیا۔ (سکریٹری اردو اکاڈمی)

۱۴ ویں صدی کی فارسی لغت

لینن گراڈ۔ ۱۴ رنومبر ایرانی ادب کے سوویت اسکالر سیمیون شنکی نے وسط ایشیا میں فارسی کا ایک قدیم لغت کا مسودہ دریافت کیا ہے جس کا تعلق ۱۴ صدی سے ہے اس لغت کے مولف صدر الدین تھے۔ اس حقیقت کی بھی تصدیق ہو چکی ہے کہ اس لغت کی نقل ۱۶ ویں صدی میں عرب نامی ایک خوش نویس نے بنائی تھی یہ شخص کرشی کا رہنے والا تھا۔

اس دریافت سے پہلے بہت کم ایسے مسودات موجود تھے جن کا تعلق قدیم فارسی لغت نویسی سے ہے اس مسودہ میں عربی یونانی اور ترکی کے الفاظ کی شرحیں بھی لکھی گئی ہیں اور ایک ہندوستانی زبان کی جس کے بارے میں ماہرین ابھی طے نہیں کر سکے ہیں کہ کونسی بانی ہے (الجمعیۃ دہلی)

کرشن چندر تحریری و تقریری مقابلہ

۲۳ رنومبر کو مشہور افسانہ نگار کرشن چندر کے یوم پیدائش پر انجمن ترقی اردو شاخ مالیگاؤں کی جانب سے ایک تحریری و تقریری مقابلہ کا پروگرام ترتیب دیا جا رہا ہے۔ (شعبان انصاری سکریٹری انجمن ترقی اردو مالیگاؤں)

سلام مچھلی شہری

پنڈت جواہر لال نہرو ادیب کی حیثیت سے

"ایورسٹ پر کیوں چڑھا جائے؟"

اس کلاسیکی سوال کے جواب میں پہاڑ کی مہم سر کرنے والوں میں سے ایک عظیم شخصیت نے ایک بڑا رومانی جواب دیا۔

"اس لیے کہ وہ ہے"

اور یہ سوال کہ نہرو کو کیوں پڑھا جائے؟ ایک دن یقیناً کلاسیکی اہمیت حاصل کرے گا۔ اور اس دن کے لیے میری پیشین گوئی ہے کہ جواب بھی یہی ہوگا۔

"اس لیے کہ وہ ہیں"

نہرو اور ایورسٹ ہماری تاریخ کی دو غیر فانی حقیقتیں ہیں۔ کوئی ہندوستانی ان میں سے کسی کو بھی نظر انداز کرنے کی سکت نہیں رکھتا

نہرو کا دور

ادیب کی حیثیت سے نہرو کا مرتبہ کیا ہے؟

حرف آغاز کے طور پر ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہندوستان کے مستقبل کے مورخین مواد کی فراہمی کے لیے ہندوستان کی تلاش (ڈسکوری آف انڈیا) اور خود نوشت سوانح عمری (آٹو بائیوگرافی) کی ورق گردانی کے لیے مجبور ہوں گے اور وہ مایوس نہیں ہوں گے۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن کے الفاظ میں ہمارا دور نہرو کا دور ہے بیسویں صدی کے ہندوستان کے بارے میں سب سے زیادہ ٹھوس اور قابل اعتماد دستاویزات، نہرو کی تصانیف میں ملتی ہیں۔ صرف دستاویزات کا قابل اعتماد ہونا ہی نہرو کی تصانیف کو عظیم نہیں بناتا! اگر ایسا ہوتا تو ہر طرح کا بیان ایک ادب پارہ ہوتا!

صداقت ہمیشہ حسن نہیں ہوتی اور نہ سچ ہمیشہ فن ہوتا ہے۔ نہرو کی تصانیف میں کافی سچائی ہے۔ ہر مخلص ہندوستانی کے نقطہ نظر سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ نہرو کی کتابوں میں صرف سچائی ہی سچائی ہے اور کچھ نہیں۔ مصنف کی ایمانداری بھی اسے اس کی اجازت نہ دے گی کہ وہ سچائی کے علاوہ کچھ اور لکھ سکے!

یہ سب تسلیم کرنا پڑے گا مگر اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نہرو کی کتابوں میں اس سے کچھ زیادہ ہے جو ایک مورخ یا سیاست داں تلاش کر سکتا ہے۔

ایک مضمون بعنوان "سب کا آخری سوال" میں سی۔ مانیٹگو کا نظریہ ہے کہ شاذ و نادر ایسا ہوتا ہے کہ ایک عظیم فنکار زندگی کے بارے میں کوئی نئی بات کہے! جو باتیں اسے محسوس ہوتی ہیں اور اسے مسرت بخشتی ہیں، عام طور سے وہ ہوتی ہیں جنھوں نے تقریباً عام لوگوں کو متاثر کیا ہوگا۔ اور مسرت دی ہوگی!

نہرو کی کتابیں پڑھتے وقت ہم مانیٹگو کی تحریر کی صداقت محسوس کرتے ہیں "تاریخ عالم کی جھلکیاں".........

(GLIMPSES OF WORLD HISTORY)

میں نہ تو ویلز کی وہ روانی ہے جو اس کی مشہور کتاب "آؤٹ لائن آف ہسٹری" میں اور نہ ہی ٹائنبی کا وہ عالمانہ رنگ جو ان کی کتاب A STUDY OF HISTORY میں ہے پھر بھی اس میں ایک عجیب سحر کن کیفیت ہے جو نہ تو ویلز کے یہاں ہے اور نہ ٹائنبی کے یہاں! "خطوط بیٹی کے نام" LETTERS TO DAUGHTER میں ممکن ہے کہ وہ نہ ہو جو کہ مادام داسیوں اور وان گو کے یادگار مجموعہ میں ہے لیکن اس کی اپنی الگ ایک جاذبیت ہے۔ نہرو کی کتابیں صرف تاریخ ہی نہیں ہیں بلکہ اپنے طور پر ناقابل تقلید فنی نمونے ہیں۔

فن کیا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ چند معمولی الفاظ کی سادی بندشوں سے ہم پر ایک انوکھی اور بے پایاں کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ لاکھوں آدمیوں کی بیویاں مری ہوں گی لیکن ایسا کیوں ہے کہ نہرو کی اپنی سوانح حیات کا سادہ انتساب "کملا کے لیے جواب نہیں ہے" آپ کو گرفت میں لے لیتا ہے۔

مانیٹگو نے نظم کے تین مصرعے نقل کیے ہیں اور اختتام پر لکھا ہے کہ کوئی تنقید نگار ان کے حسن کی تشریح نہیں کر سکتا ہے۔

"روشنی ہوا سے سرمستی ہے
جواں اور خوبصورت رعنائیاں
فضا سے نور برس رہا ہے
جوان و حسین شاہزادیاں مری ہیں
غبار سے ہیلن کی آنکھیں بند ہو گئی ہیں۔"

میں یہ نہیں ذہن نشین کرانا چاہتا کہ نہرو عظیم ادبی فنکار تھے۔ انھوں نے خود بھی اس کا دعوی نہیں کیا۔ ان کا ارادہ یہ نہ تھا کہ ادب تصنیف کریں۔ وہ صرف اپنے متعلق اور اس دعوت کے متعلق جو ان کے گرد تھی لکھنا چاہتے تھے۔ اور اس کو انھوں نے بڑی خوبی سے انجام دیا ہے۔ ان کی تحریروں میں نزاکت کی آورد نہیں ملتی۔ نہ نتائج کی بیکار سعی ہے اور نہ ہی رنگ آمیزی کی بیجا کوشش ہے لیکن ان کے افکار کے سامنے وہ لوگ جو "تاریخ ساز" ہیں محض حقیر مثل نظر آتے ہیں

مصنف نہرو کے مقابلے میں نہرو بحیثیت انسان کہیں زیادہ پیچیدہ تھے مجھے ایک موقع یاد آتا ہے جب وہ ایک امنڈتے ہوئے مجمع میں ایک لپکتے ہوئے شعلے کی طرح گھس گئے۔ ان کی تقریر انگارہ تھی۔ لیکن جب آگ بجھ گئی تو ان کے چہرے پر پھر مسکراہٹ دمکنے لگی۔ اور اس دمک میں غصہ کی گرمی باقی نہ تھی۔

اگر نہرو فنانی الادب ہوتے تو انھوں نے اپنے سارے وجود کو اپنی تحریروں میں سمو دیا ہوتا۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ ایک عمدہ تعزیتی مضمون میں کنگسلے مارٹن نے ہمیں یاد دلایا ہے

نہرو کو غصہ بھی آسکتا تھا۔ اور وہ جذباتی بھی ہو سکتے تھے۔ وہ حماقت اور توہم پرستی سے متنفر تھے، اور اس سلسلے میں انھوں نے اس کی کبھی پروا نہ کی کہ اس کا ان پر کیا اثر پڑے گا حفاظتی دستے گو انھوں نے ہمیشہ مایوس رکھا۔ ان میں خوشگوار طریقے پر رنگین اور کھلنڈرا انداز تھا۔ لیکن جب وقت کا تقاضہ ہوتا تو وہ ایک سنجیدہ ہوئے سیاست داں نظر آتے۔ اور جیسے جیسے ان کی عمر گزرتی گئی وہ اپنے کو زیادہ سے زیادہ تنہا محسوس کرتے گئے۔

شخصیت کا تخلیقی پہلو

لیکن اس طرح کے بہت کم پہلو ان کی کتابوں میں نظر آتے ہیں۔ ادیب کی حیثیت سے نہرو باخبر تھے کہ آئندہ نسلوں کو ان کے غصے یا ان کے مختلف موڈ سے کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔ بلکہ وہ ان کی شخصیت کے تخلیقی پہلو سے دلچسپی لیں گے اس پہلو سے، جس نے ہندوستان کو رنگ پایا تھا اور چھوڑا تھا۔

ان کی تصانیف جو غیر فطری طور پر نہیں بلکہ فطری نرم روی سے ہم تک ان کے بہترین افکار پہونچاتی ہیں بڑی احتیاط سے لکھی گئی ہیں اور ایک دور بیں قاری فوراً مصنف کے احتیاط کو بھانپ لیتا ہے۔ اس پریشانی کو کہ کوئی غلط یا گمراہ کن بات آنے نہ پائے، نہرو کا طرز تحریر کچھ بجھا بجھا سا نظر آتا ہے لیکن یہ فرض کرلینا غلط ہے کہ اس میں گرماہٹ بھی ہے۔ ہنگامی تحریروں میں ان کا لہجہ گہرا ہوتا جاتا ہے اور بہت کم مصنف ان کے مقابلے میں اہمیت کا احساس بیدار کرنے کے اہل ہیں۔ ان کی خود نوشت سوانح عمری میں وہ موقع جہاں انھوں نے اس وقت کے اپنے اندرونی محسوسات کو بیان کیا ہے، جب تحریک ترک موالات کے دوران برطانوی سپاہیوں سے ٹکرائے تھے، یا مہاتما گاندھی کی موت کے موقع پر ان کی تقریر، ان کی قوت بیانی کی یادگار مثالیں ہیں۔

یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ آئندہ نسلیں ادیب کی حیثیت سے ان کے بارے میں کیا سوچیں گی؟ تیز رفتاری سے بدلتی ہوئی اس دنیا میں جو زیادہ سے زیادہ بد مذاق ہوتی جارہی ہے کچھ بھی ہو سکتا ہے! یوں بھی آج کل ڈکنس، بیتھوون کے مقابلے میں زیادہ مقبول ہے۔ اور گی اسپائیلنس شیکسپیئر سے زیادہ بکتا ہے۔ لیکن کسی بھی جوہری کے ذریعہ اگر مستقبل، محنت، ایمانداری خلوص اور دلکشی کے بارے میں ہمارے جذبۂ ستائش کا ایک شمہ بھی برقرار رکھ سکتا ہے، تو ادیب جواہر لال نہرو کو کبھی نہیں بھلایا جاسکتا۔

نوح اکیڈیمی دہلی کا سالانہ مشاعرہ ۱۷ ردسمبر کو

نئی دہلی ۲۰ رنومبر۔ نوح اکیڈیمی دہلی کا سالانہ مشاعرہ ۱۷ ردسمبر کو شام ۶ بجے ہورہا ہے۔ یہ مشاعرہ نوح اکیڈیمی کے سرپرست اور راجیہ سبھا کے سابق ممبر ڈاکٹر مرزا احمد علی کے مکان پر ہوگا۔ (قومی آواز لکھنؤ)

(بقیہ صفحہ ۱۲ کا)

شائق دولت خاک قدم یار ہوں میں
دھوپ میں ہوں کہ ہوں خاصل اکسیر کوش

صوفیوں کو جو تری دولت دیدار کی حرص
سوفیوں کو جو متاع زر و دنیا کی حرص

ضد ان کی دیکھئے فیض آئے دیکھئے کس وقت
کہ سرد ہو گئے جس وقت دست پائے مریض

وا ذستم ہے یہ کہ لکھے میں نے خط ہزار
لکھا نہ اس نے مجھ کو کبھی ایک بار خط

ظل حق جب تک نہ ہو سر پر کسی کے کچھ نہیں
ہے گدائی میں نہ کیفیت نہ سرداری میں حظ

علم ظاہر سے جدا ہے پردہ راز سماع
شرع میں کیوں کر نہ ہو پھر حرمت بیاں سماع

نور غم سے گھٹتا اور بڑھتا مگر تیرے
ضیاء رخ پہ نہ حائل ہوا قمر کو فروغ

فرق ہو دل میں تو ہے شفقت اور بے لطف
ہوں نہ مرضی کے تو ہیں عیش عبث اور لطف

قسم ہے مصحف روئے نگار کی کہ مجھے
سوائے اس کے نہیں مشغلہ اے عشق

کشتہ تیغ تبسم نے جو پکڑا دامن
تو ستمگر نے خفا ہو کے دیا ہاتھ جھٹک

گفتگو کرنے سے کھلتا ہے سیاہ اور سفید
ایک ہے ورنہ رخ کا قرو ویند اگر رنگ

لبریز سخن کی اشتی ہیں محمود دل میں آج
یاد آگیا ہے دل کو وہ پھر افسانۂ دل

مبتلا تجھ پہ ہیں لے تو خود آرائی ہم
بن کے ہنستا دو دو وقت تماشائی ہم

نشان سجدۂ در دوست کس جبیں پر نہیں
پہ نقش حب صنم ہر دل نگیں میں نہیں

وقوف سرخفی کو کروں ہیں کیا اخفا
کہ ہر طرف نظر آتا ہے تو ہی تو مجھ کو

ہے وہ کب معتقد ظل ہما اے قاتل
پڑ گیا ہے تری شمشیر کا جو پر سایہ

یہ خبر تھی کسے اے شوخ ستمگر معلوم
دل تجھے دیکھ کے بھی منت کش ارماں ہوگے

مراسلات

میر کی سیادت

میر تقی میر کی سیادت کے متعلق تذکرہ نویسوں نے دلچسپ اطلاعات بہم پہنچائی ہیں اور محققین نے بھی اس موضوع پر خوب بحثیں کی ہیں لیکن یہ حقیقت پھر بھی حقیقت ہی رہتی ہے کہ میر تقی میر کے ماموں کا نام سراج الدین علی خاں تھا اور ان کے خاندان کے کئی افراد کے ناموں کے ساتھ "شیخ" لکھا گیا ہے۔

نواب امین الدولہ کے حالات کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے بانی شیخ صفی الدین تھے، شیخ کے پوتے کا نام خواجہ علی تھا ان کی اولاد میں شیخ شاہ، شیخ جنید، شیخ حیدر، وغیرہ نام ملتے ہیں اسی خاندان کے ایک فرد میر محمد امین یا سید محمد امین تھے جو اودھ کی سلطنت کے بانی تھے۔ میر محمد امین کے بھانجے اور داماد مرزا محمد مقیم صفدر جنگ وزیر اعظم ہوئے جنگ صفدر کے اخلاف میں تمام افراد کے ناموں کے ساتھ "میرزا" اور "خاں" کا الحاق ملتا ہے۔

یہ اور اسی قسم کے کئی اور شجرے بھی مل سکتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ میر محمد امین کے اخلاف کو بہ سبب بزرگی شیخ اور خواجہ کہا گیا۔ میر تقی میر کے لیے مولانا محمد حسین آزاد اور دوسرے تذکرہ نویسوں کے حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بہ وجوہ "میر" مشہور ہو گئے لیکن حقیقتاً وہ میر یا سید نہ تھے، اسی طرح منشی ہرگوپال تفتہ کے متعلق مشہور ہے کہ انھیں اپنے استاد مرزا غالب سے اس حد تک عقیدت تھی کہ وہ خود کو بھی مرزا تفتہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔ اگر یہ سب صحیح ہے تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ کسی فرد کے نام کے ساتھ شیخ، سید، میر، میرزا، خواجہ یا خان کا الحاق اس بات کے لیے سند نہیں ہو سکتا کہ وہ شخص کسی خاص قبیلہ یا نسب سے واقعی متعلق ہے۔

ہماری زبان کے صفحات پر سر سید احمد خاں کے سلسلے میں یہ بحثیں ہو چکی ہیں کہ لفظ "خان" کا استعمال کسی بھی شخص کے نام کے ساتھ ہو سکتا ہے خواہ وہ سید ہو، پٹھان ہو یا کچھ اور لفظ "میرزا" کا استعمال غیر مسلموں کے نام کے ساتھ بھی ملتا ہے اس سلسلہ میں مرزا تفتہ کے علاوہ ایک نام اور پیش کرتا ہوں۔

"غلام تخلص راجہ گوپال مخاطب مرزا راجہ ناتھ دہلوی تخلص بہ ذرہ شاہ عالم بادشاہ کے مقربوں میں تھے" (انساخ ص۲۵۲)

مسلمانوں میں غیر مغلوں کے نام کے ساتھ بھی اس لفظ کا الحاق مل سکتا ہے چنانچہ احوال غالب میں غالب سے متعلق سب سے پہلا مضمون شائع ہوا ہے اس میں ذوق کا نام اس طرح درج ہے

"مرزا محمد ابراہیم خاں"

یہ بات مسلم ہے کہ ذوق مغل یا پٹھان نہ تھے۔

اسی طرح لفظ "میر" کے محل استعمال کے متعلق میر محمد خاں سرور نے شمس الدین فقیر کے متعلق جو "عباسی النسب" بھی تھے لکھا ہے۔

"از فخر الشعرا میر نظام الدین علی خاں ممنون .... بہ ثبوت رسیدہ کہ الحاق "میر" بہ اسمش از روی فضیلت است نہ بہ سبب سیادت" (تذکرہ سرور ص۵۵)

میں سمجھتا ہوں کہ مذکورہ بالا الفاظ جن کے متعلق عام خیال ہے کہ ان سے نسب کا پتا چلتا ہے لازماً نسب کا پتا نہیں دیتے بلکہ ان کا استعمال بیشتر احترام اور بزرگی کے اعتراف کے طور پر کیا گیا ہے، میرے پیش نظر حکیم کاشف لکھنوی کا بیالیس پشتوں تک کا شجرہ بھی ہے، تذکرہ نویسوں نے ان کو متفقہ طور پر سید لکھا ہے لیکن جہاں تک مجھے ان کے بزرگوں اور عزیزوں کے ناموں کا علم ہو سکا ہے بیشتر کے ناموں کے آخر میں لفظ "میرزا" کا الحاق بھی ہے میرا خیال ہے کہ یہ لفظ بھی لفظ "خاں" کی طرح خطاب کی حیثیت رکھتا تھا۔

اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اس مسئلہ پر رہنمائی فرمائیں۔

(محمد انصار اللہ نظر)

لسانیاتی اصطلاحیں

رسالہ ماہ نو، کراچی کے شمارہ اکتوبر میں محترم ڈاکٹر گیان چند صاحب کا عالمانہ مضمون "زبان اور اس کا علم" ذوق شوق سے پڑھا میں ضمناً طور پر یہاں، کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

۱۔ Semantics کا ترجمہ ڈاکٹر صاحب نے "معنیات (معنیات)" کیا ہے۔ "معنی" عربی لفظ ہے۔ اردو میں اس کے دو مطلب ہیں: مانی اور ملنے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ "معنیات" کس قاعدے سے بنایا گیا ہے۔ اس قسم کے الفاظ بنانے کا قاعدہ تو یہ ہے۔

اسم + ی + ات؛

جیسے لسان + ی + ات = لسانیات

اسی طرح صوت + ی + ات = صوتیات

تو کیا معنی + ی + ات = معنیات

درست ہے؟ میرا تو خیال ہے "مفہومیات" پر غور کرنا چاہیے اور "معنویات" کیسا رہے گا؟

۲۔ Etymology کے لیے کوئی اصطلاح محترم نے مقرر نہیں کی ہے، تشریح یہ کر دی ہے "الفاظ کی اصل کا علم" ذہن تو سیدھے "لغویات" کی سو جاتا ہے۔

۳۔ آخری بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں عربی کی الف لام والی ترکیب پرہیز کرنا چاہیے: علم الانسان کیوں کہتے ہیں؟ انسانیات کہیے، "تدوین اللغات" کیوں؟ "تدوین لغات" کہیے؛ لغت تدوینی کہیے، لغویت کہیے، دیکھیے جدید اردو کی قواعد میں جیسے ہندی اور سنسکرت قواعد کے لیے کافی جگہ نکالنی ہوگی۔ بہتر ہو کہ عربی قواعد کی جگہ کچھ کم کر دی جائے۔ بات عاقبت اندیشی کی ہے۔

ضمنی طور پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہوائی کیجیے کوئی فارسی یا عربی لفظ ڈھونڈنا چاہیے یہ ٹھیٹھ اردو لفظ زیادہ دور تک ہمارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ (اقبال کرشن)

پنڈت جواہر لال نہرو کی یاد میں

مدراس یونیورسٹی میں "شردھانجلی" کا اجراء

مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۹۹۴ء شام کے ۵ بجے مجلس مصنفین مدراس کے زیر اہتمام جنوب کے مشہور شاعر جناب کاوش بدری کی منظوم تصنیف "شردھانجلی" (انجہانی نہرو جی کی یاد میں) کا اجراء عمل میں آیا۔ اس عظیم الشان یادگار جلسہ کی صدارت الحاج مولانا سید عبدالوہاب صاحب بخاری مدظلہٗ نے فرمائی۔ ڈاکٹر شنکر راجو نائیڈو۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ایف۔ آر۔ اے۔ ایس۔ (لندن) نے "شردھانجلی" کا اجراء فرمایا۔ اور جناب دانش فرازی نے استقبالیہ فرائض کو انجام دیتے ہوئے دوران تقریر میں کتاب کی اہمیت پر کہا کہ نہرو جی پر لکھی گئی تمام نظموں پر "شردھانجلی" بھاری ہے۔ جلسہ کا آغاز تامل زبان کی حمد سے ہوا۔ جناب ادیب بھارتی نے اس موقع پر بھیجے گئے اہم پیغامات کو پڑھ کر سنایا۔ یونیورسٹی لائبریری اسٹاف اور مجلس مصنفین کی جانب سے صاحب تصنیف کو پھولوں کا تحفہ پیش کیا گیا۔

جناب صدر کاوش بدری کا پرشکوہ تعارف کرایا اور "شردھانجلی" کی ہمہ گیریت پر گہری روشنی ڈالتے ہوئے کتاب کے بعض حصوں کا انگریزی میں بہت خوب صورت ترجمہ پیش کیا۔ ڈاکٹر شنکر جی نے اجرائی رسم کے بعد بہ زبانِ انگریزی "شردھانجلی" کے کئی حصوں کا بسیط ترجمہ کیا اور ہندی میں بھی اس کے مفاہیم پیش کیے موصوف نے جناب صدر اور پروفیسروں کو توجہ دلائی کہ اس کتاب کو کالج کے نصاب میں داخل کر لیا جائے۔

یہ جلسہ قومی ترانے کے ساتھ بحسن وخوبی شام کے سات بجے اختتام پذیر ہوا۔

(ساحل رشید)

انجمن تعمیر اردو کی چار حالیہ نشستیں

انجمن تعمیر اردو دلی کی ہفتہ وار ادبی نشستوں میں سے گذشتہ چار ادبی مجالس کی روئیداد کا خلاصہ ناظرین کے ملاحظے کے لیے درج ذیل ہے۔ انجمن کی ایک نشست ۴ر اکتوبر کو جناب طالب دہلوی کی زیر صدارت اردو ناہال اردو بازار میں منعقد ہوئی۔ دیوان ظفر پیامی نے بعنوان "دوسری موت" ایک سیاح تاجروں کا واقعہ افسانوی انداز میں بشکل تبصرہ سنایا جسے بے حد پسند کیا گیا۔ علاوہ ازیں جناب کرشن موہن گلزار دہلوی، عنوان چشتی منگلوری، نقی سکندر آبادی۔ نصرت گوالیاری اور مرزا اخیر آغا نے کلام سنایا۔ اختتام پر طالب دہلوی صاحب نے نشست کی کامیابی اور انجمن کی خدمات کو سراہا۔ دوسری نشست قومی عجائب گھر کی لائبریری کے محافظ جناب یوسف کمال بخاری صاحب کی زیر صدارت ۱۸ر اکتوبر کو منعقد ہوئی۔ حضرت حق سعیدی ٹونکی صاحب، عبداللطیف اعظمی صاحب طالب دہلوی۔ بہار برنی۔ عزیز دانش انگن نجیب آبادی۔ ساحر سیالوی۔ نصرت۔ نقی۔ ڈاکٹر دخان محمود پاکی اور اسلم سہارنپوری حضرات نے نظم ونثر میں اپنی تخلیقات سے نوازا۔ اور اعظمی صاحب و گلزار دہلوی نے بجے پور اردو کانفرنس کی کارکردگی اور نتائج پر مفید گفتگو سے مستفید کیا جس سے خدمتِ اردو کے لیے تمام انجمنوں اور اداروں میں متحد جوشِ عمل اور تعاون کا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔

تیسری نشست شاعرہ ۲۵ر اکتوبر کو زیر صدارت جناب رشید حسن خاں منعقد ہوئی جس میں جناب قادر الکلام علامہ پروفیسر پنڈت تربھون ناتھ صاحب زتشی زار دہلوی یادگارِ داغ نے اپنے کلام سے نوازا دیگر مقامی شعراء نے بھی اپنا کلام سنایا چوتھی نشست اتوار ۸ر نومبر کو شام کے ۵ بجے ڈاکٹر اے۔ ایچ عابدی صدر شعبہ فارسی دلی یونیورسٹی کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں یوسف کمال بخاری صاحب نے نواب واجد علی شاہ کے جمشید بیگم کے نام غیر مطبوعہ خطوط کے ایک قلمی مخطوطے کے متعلق اپنا معلوماتی مقالہ سنایا آپ کے بعد سالک دہلوی۔ نقی سکندر آبادی۔ اخیر آغا۔ راغب بچھرایونی۔ عنوان چشتی منگلوری۔ اسلم پرویز۔ گلزار دہلوی اور طالب دہلوی نے اپنے تازہ کلام سے مستفیض کیا۔ آخر میں ڈاکٹر عابدی صاحب صدر جلسہ نے انجمن کی خدمات کو سراہا اور نشست کی کامیابی کی تعریف فرمائی۔"

(جنرل سکریٹری انجمن تعمیر اردو دلی)

شامِ غزل

انجمن ترقی اردو شاخ کھنڈوہ کے زیر اہتمام مورخہ ۵ر نومبر کو ایک عظیم الشان مشاعرہ منعقد کیا گیا مشاعرہ کی صدارت کے فرائض جناب کوثر چاندپوری صدر مدھیہ پردیش ریاستی انجمن ترقی اردو بھوپال کو سونپے گئے۔ مشاعرہ سے پہلے ایک جلسہ بھی ہوا جس کا افتتاح جناب سید مسعود علی صاحب ایڈوکیٹ نے فرمایا۔ اور آغاز محترم ڈاکٹر خورشید احمد صاحب صدیقی نے کھنڈوہ اور اطراف میں اردو کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے کیا۔ اس کے بعد صدر محترم کوثر چاندپوری نے اردو کی اہمیت اور کل ہند کانفرنس کی تجاویز سے متعلق تقریر کی اس کے بعد حضرت شفری بھوپالی نے مشاعرہ کا آغاز کیا۔ ان کے بعد مقامی شعراء کے ساتھ ساتھ جناب نور اندوری، رفعت الحسینی محمود درانی، عزیز اندوری، فرحت کاکوروی اور منشور واحدی نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ (حسن خیر سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند کھنڈوہ)

شکایات

محکمہ ڈاک و تار میں اردو کی پوزیشن

مکرمی، میں آپ کے روزنامہ قومی آواز کے ذریعہ محبان اردو اور محکمہ تار و ڈاک کی توجہ ڈاک خانہ رام نگر ضلع بارہ بنکی کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ یہاں اس وقت کوئی بھی ملازم ایسا نہیں ہے جو اردو سے کچھ بھی واقف ہو، نتیجہ یہ ہے کہ اردو میں خطوط یا منی آرڈر وغیرہ کی تقسیم کا انتظام نہایت کس مپرسی کے عالم میں ہے ۲۲ر اکتوبر کو صبح ایک بچہ پچاس روپیہ منی آرڈر کرنے آیا منی آرڈر فارم اردو میں بھرا ہوا تھا۔ ڈاک خانے کے بابو (جو اس وقت پوسٹ ماسٹر کا کام انجام دے رہے ہیں) بولے کہ آئندہ منی آرڈر فارم ہندی یا انگریزی میں لایا کرو یہاں اردو کوئی نہیں جانتا ہے میں نے کہا جناب کم از کم محکمہ ڈاک کے افسروں کو اردو تو جاننا ہی چاہیے۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ اب جو بھی اس محکمہ میں آتا ہے وہ اردو نہیں جانتا اسی لیے ان لوگوں کے خطوط وغیرہ ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہیں۔

چناں چہ میں اردو دوستوں سے اور محترم جناب صدر انجمن ترقی اردو ہند سے التماس کرتا ہوں کہ وہ محکمہ تار و ڈاک کے افسران کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں کہ کم سے کم ایسے باشعور محکمہ میں تو ملازمین کی علمی لیاقت میں ہائی اسکول یا جونیر ہائی اسکول اردو میں پاس کرنا ضروری قرار دے دیں آخر میں میں اپنے تمام محبان اردو سے مستدعی ہوں کہ آئندہ اپنے خطوط چاہے جس زبان میں لکھیں لیکن پتہ صرف اردو میں لکھیں جس سے اس محکمہ کے بابو صاحبان کی غلط فہمی دور ہو جائے کہ اردو ایک غیر ضروری اور استعمال میں نہ آنے والی زبان ہے۔

محمد عمر خاں ٹیچر، یون این۔ انٹر کالج۔ رام نگر۔ ضلع بارہ بنکی یوپی۔

(منقول از قومی آواز لکھنؤ)

عثمانیہ یونیورسٹی اردو فورم کا اجلاس

عثمانیہ یونیورسٹی اردو فورم کا ماہانہ اجلاس ۸ر نومبر ۶۲ء بروز پنجشنبہ کے روز نظام کالج میں منعقد ہوا۔ یونیورسٹی کے معاون اور ملحقہ کالجوں کے اساتذہ اردو نے شرکت کی۔ ڈاکٹر سبھاش چند تلنگ صدر شعبۂ ہندی اورنگ آباد یونیورسٹی، اور ڈاکٹر راج کشور پانڈے، شعبۂ ہندی عثمانیہ یونیورسٹی نے خصوصی مہمانوں کی حیثیت سے شرکت کی۔ دکن کے ممتاز مورخ اور دکنیات کے عالم پروفیسر عبدالمجید صدیقی نے اجلاس کی صدارت کی ڈاکٹر غلام عمر خاں نے "غواصی کی غیر مطبوعہ مثنوی "مینا ستونتی" پر مقالہ پڑھا۔ عبداللہ قطب شاہ کے عہد کے ملک الشعراء غواصی کی یہ مثنوی، ہندوستانی اصل کی ایک قدیم پریم کتھا پر مبنی ہے، جو عہد وسطیٰ میں شمالی ہند میں نہایت مقبول تھی۔ اس قصہ کو چودھویں صدی عیسوی میں مولانا داؤد نے "چنداین" کے نام سے، اور پھر میاں سادھن نے "مینا ست" کے نام سے نظم کیا تھا۔ بعد کو جہانگیر کے عہد میں حمید نامی ایک شاعر نے اسے فارسی میں بھی منتقل کیا۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں، صدر اردو فورم، ڈاکٹر راج کشور پانڈے، ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ اور مسٹر حسینی شاہد نے مباحثے میں حصہ لیا۔ پروفیسر مجید صدیقی نے غواصی کی شاعری کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالی۔

(غلام عمر خاں سکریٹری اردو فورم)

قمر ساحری کے مجموعہ کلام ضرب آتشیں کی رسم اجرا

حیدر آباد، انجمن ترقی اردو کی جانب سے پہلی نومبر کی شام کو اردو ہال میں منعقدہ ایک جلسہ میں مشہور شاعر قمر ساحری کا مجموعہ کلام "ضرب آتشیں" پیش کیا گیا۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ نے صدارت کی۔ ابتدا میں مولوی حبیب الرحمن معتمد انجمن ترقی اردو نے اپنی تقریر میں اس بات پر مسرت کا اظہار کیا کہ حیدر آبادی شعراء کی تخلیقات یکے بعد دیگرے منظر عام پر آرہی ہیں۔ صدر جلسہ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ نے مصنف کو "ضرب آتشیں" کی ایک جلد پیش کی جو "بزم سعدی" کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔ اس مجموعہ کی قیمت ۲ روپے ۵۰ نئے پیسے ہے ڈاکٹر گوڑ نے کہا کہ قمر ساحری ترقی پسند دور اور تحریک کے ساختہ پرداختہ شاعر ہیں۔ شاعری میں تکنک اور روایتی اصولوں کی پابندی کے متعلق طویل بحث کرتے ہوئے روایت شکنی کو انھوں نے جائز قرار دیا ڈاکٹر گوڑ نے کہا کہ اردو تعلیم کے ناقص انتظام کی وجہ سے طلباء میں ذوق ادب کا فقدان ہے جس کے نتیجہ میں اچھی اور ادبی کتابیں فروخت نہیں ہو رہی ہیں۔ اس کی وجہ سے اچھے شاعروں اور ادیبوں کی ہمت شکنی ہوتی ہے۔ مسز سرنواس لاہوٹی کے شکریہ پر یہ تقریب اختتام کو پہونچی۔ (سیاست حیدر آباد)

> ## مضامین
> مراسلات وغیرہ "ہماری زبان" کو ارسال کرتے وقت یہ ملحوظ رکھیں کہ کاغذ کے ایک طرف لکھیں۔

مالک: انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ۔ پرنٹر ضمیر الدین قریشی، نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔